ایک انسان
دو کردار

ایمان افروز سبق آموز چار کہانیاں

مائل خیرآبادیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک انسان دو کردار

۱۹۴۷ء سے پہلے کی بات ہے، ہندوستان میں ایک چھوٹی سی ریاست تھی، اس ریاست کے راجہ نے ایک بار حکم دیا کہ ریاست میں جو سب سے زیادہ بوڑھا اور زیادہ عمر کا آدمی ہو، اسے حاضر کیا جائے۔ حکم سنتے ہی ریاست کے سپاہی چاروں طرف پھیل گئے۔ بڑی کھوج کے بعد ایک ملاح ہاتھ لگا۔ وہ ملاح واقعی نہایت بوڑھا تھا۔ اس کی پلکیں بھی سفید ہو چکی تھیں، اور بھووں کی کھال لٹک کر آنکھوں تک آگئی تھی، سپاہی اس بوڑھے ملاح کو راجہ کی خدمت میں لے گئے۔ وہاں اس سے نام پوچھا گیا، پیشہ اور کام پوچھا گیا، سن پیدائش اور مقام پوچھا گیا۔ بوڑھا سن پیدائش تو نہ بتا سکا لیکن جب اس نے بتایا کہ اس نے نوابی کا زمانہ دیکھا ہے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اس کی بھری جوانی میں لڑی گئی تھی تو راجہ کو یقین ہو گیا کہ واقعی ریاست بھر میں سب سے زیادہ عمر کا آدمی ہے۔

راجہ صاحب نے اس سے کہا:

"تم نے اب سے پہلے کا زمانہ بھی دیکھا ہے، اور آج جو کچھ ہو رہا ہے

وہ بھی تمہارے سامنے ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم پہلے کے زمانے میں اور آج کے زمانے میں کیا فرق پاتے ہو؟" اس سوال کے جواب میں بوڑھے نے کہا:

"مائی باپ! وہی زمین اب بھی ہے جو پہلے تھی، وہی آسمان اب بھی ہے جو پہلے تھا۔ ہوا بھی اسی طرح چلتی ہے جیسے پہلے چلا کرتی تھی۔ حضور! میں سو برس سے زیادہ مدت سے اس ندی کے پانی کو دیکھ رہا ہوں جس میں ناؤ میں چلایا کرتا تھا۔ ندی کا پانی بھی اسی طرح بہہ رہا ہے جس طرح میرے بچپن میں بہا کرتا تھا۔ سرکار! زمین اور آسمان کے بیچ جو کچھ ہے سب اپنی جگہ ٹھیک ہے، لیکن ...." بوڑھا کہتے کہتے رُک گیا۔ اس نے ایک نظر راجہ صاحب پر ڈالی، پھر اسے کھانسی شروع ہو گئی۔ کھانسی کے دس پانچ جھٹکوں کے بعد وہ سنبھلا۔ راجہ نے کہا۔

"ہاں، لیکن کے بعد تم کیا کہنے جا رہے تھے؟"

بوڑھے ملّاح نے کہا، "مائی باپ! لیکن یہ ضرور ہے کہ ہماری نیتوں میں فرق آگیا ہے۔"

"وہ کیا؟" راجہ صاحب نے پوچھا۔ بوڑھا بولا، "سرکار! میں دوسروں کی نیتوں کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا، میں اپنے اوپر بیتی ہوئی دو باتیں بتاتا ہوں جو مجھے اب تک یاد ہیں، آپ ان سے اچھی طرح سمجھ لیں گے کہ ہماری نیتوں میں کیا فرق آگیا ہے؟"

یہ کہہ کر بوڑھے ملّاح نے اپنی آپ بیتی اس طرح کہنی شروع کی:

"حضور! میں نے بتایا کہ میں گھاٹ پر ناویں چلایا کرتا تھا۔ اس سلسلے کی پہلی بات اُس وقت کی ہے جب میری نئی نئی شادی ہوئی، میری شادی میں میرے گھر والوں نے بہت پیسہ خرچ کر ڈالا تھا۔ میرے باپ میری شادی کے بعد بہت قرض دار ہو گئے تھے، اور بڑے پریشان رہتے تھے۔ ان کی پریشانی کا اثر مجھ پر بھی تھا۔

اسی زمانے میں ایک بار رات گئے ایک مسافر آیا۔ میں گھاٹ پر اپنی جھونپڑی میں سونے جا رہا تھا، مسافر نے پکارا۔ میں نے اس سے آٹھ آنے مانگے۔ اصل میں بات یہ تھی کہ میں تھک چکا تھا، اب کام کرنے سے میرا جی چھوٹ چکا تھا۔ مجھے ستانے کی ضرورت تھی۔ میرا خیال تھا کہ آٹھ آنے اُجرت سُن کر مسافر انکار کر دے گا۔ لیکن وہ راضی ہو گیا۔ حضور! اُس وقت آٹھ آنے بہت ہوتے تھے۔ شاید مسافر کسی بڑی ضرورت سے جا رہا تھا۔ ویسے تو ایک آنہ پڑتا تھا۔

وہ راضی ہو گیا تو اب میں اپنی بات سے کس طرح پھر سکتا تھا۔ سرکار! اُس وقت لوگ بات کے بڑے دھنی ہوتے تھے، اپنی بات پر کٹ مرتے تھے، لیکن بات نیچی نہیں ہونے دیتے تھے، میں آٹھ آنے کے لیے نہیں، زبان سے جو کہہ چکا تھا اُس کے لیے اُٹھا، اپنی جھونپڑی سے نکلا، میں نے ناؤ کھولی۔ مسافر نے ناؤ میں اپنا سامان رکھا، بیٹھا۔ میں نے چپّو سنبھالا۔ دیکھتے دیکھتے ناؤ رات کی تاریکی میں ندی کی لہروں کو کاٹنے لگی۔ اور ذرا دیر میں دوسرے کنارے

جا لگی ۔ مسافر اُترا، وہ سچ مچ جلدی میں تھا ۔ اس نے جلدی جلدی اپنا سامان اُتارا ۔ مجھے آٹھ آنے پیسے دیے اور اسی اندھیری رات میں ایک طرف چلا گیا ۔ میں ناؤ کو باندھ کر اپنی جگہ جا لیٹا ۔ صبح تڑکے جا کر دیکھا تو ناؤ میں ایک تھیلی ملی ۔ اُٹھایا تو وہ کئی سیر کی لگی ۔ ہلایا تو معلوم ہوا کہ اس میں رُوپے ہیں ۔ چاندی کے روپے ۔ مائی باپ! میں آپ سے سچ کہتا ہوں، میری نیت میں ذرا بھی کھوٹ نہ آئی ۔ میں نے سوچا ۔ تھیلی کو جھونپڑی میں رکھنا ٹھیک نہیں ہے، میں نے ندی کے کنارے ایک جگہ اسے ریت میں دبا دیا ۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ تھیلی اسی مسافر کی ہے جو رات کو آیا تھا ۔ وہ ضرور اپنی رقم لینے آئے گا، اس وقت اُسے دے دی جائے گی ۔

کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ وہی آدمی گھبرایا ہوا چلا آرہا ہے ۔ اس نے آتے ہی تھیلی کے بارے میں پوچھا ۔ میں نے جھٹ تھیلی ریت کے نیچے سے نکال کر اُسے دے دی ۔ وہ خوش ہوا، اُسے خوش دیکھ کر میرا جی بھی خوش ہو گیا ۔ حضور! اُس زمانے میں دوسروں کو خوش دیکھ کر لوگ خوش ہوا کرتے تھے ۔ اب تو یہ حال ہے کہ کسی کو کھاتا پیتا، اور اُجلے کپڑوں میں دیکھتے ہیں تو لوگ جلتے ہیں ۔ خیر ۔ اُس نے مجھے کچھ رُوپے انعام کے طور پر دینا چاہا ۔ تو میں نے انکار کر دیا ۔ اور کہا کہ مجھے یہ رُوپے لینا ہوتے تو سارے کے سارے میرے قبضے میں تھے ۔ میں یہ انعام نہیں لیتا ۔

اب ذرا میری دوسری بات سُنیئے: بہت دنوں کے بعد، اتنے دنوں کے بعد جب کہ میں جوانی سے بُڑھاپے میں داخل ہو چکا تھا، میری عمر پچاس سے اُوپر ہو چکی تھی، اب میں گھر کا کرتا دھرتا اور ذِمّے دار تھا۔ نوابی کا خاتمہ ہو چکا تھا، غدر کی باتیں ٹھنڈی پڑ چکی تھیں، ہر طرف انگریز کا راج تھا، اور ہماری قسمت ان کے ہاتھوں بن اور بگڑ رہی تھی۔

اسی زمانے کی بات ہے، ایک دن کچھ لوگ میری ناؤ سے پار ہوئے۔ جب وہ اپنا اپنا سامان لے کر چلے گئے، تو میں نے دیکھا، ناؤ میں ایک طرف چنوٹی پڑی ہوئی تھی، حضور! چونا رکھنے کی یہ چنوٹی یہی کوئی چار چھ پیسوں کی ہوگی۔ میں نے وہ چنوٹی اُٹھالی اور اپنی جھونپڑی میں چلا گیا۔ شام کو ایک آدمی آیا۔ وہ صبح کو میری ناؤ سے ندی پار آیا تھا اس نے مجھ سے پوچھا: ”دادا! میری چنوٹی صبح کو ناؤ میں رہ گئی تھی، آپ کو تو نہیں ملی؟“

”نہیں، مجھے نہیں ملی۔“ میں نے صاف انکار کر دیا۔ دیکھا آپ نے میرے مائی باپ! میں نے ہزاروں روپوں پر اُس وقت لات ماردی تھی جب میرے باپ قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے تھے، اور آج ایک ٹکے کی چیز کے لیے نیّت خراب کر لی۔

— حضور! میں نے اپنی دو آپ بیتیاں آپ کو سنائیں۔ آپ ان ہی سے اندازہ لگائیے۔ دوسروں کو بھی دیکھ لیجیے۔ آپ یہی دیکھیں گے کہ وہی زمین اب بھی ہے جو پہلے تھی۔ وہی آسمان اب بھی ہے جو پہلے

تھا۔ اور زمین و آسمان کے بیچ جو کچھ ہے، سب ویسے کا ویسا ہی ہے۔ سورج اور چاند کی چال میں کچھ فرق نہیں آیا، مگر ہماری نیتیں اب ویسی صاف ستھری اور بے داغ نہیں رہیں جیسے پہلے تھیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے کاموں سے برکت اُٹھتی جا رہی ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ کماتے ہیں لیکن پھر پُورا نہیں ہوتا۔ جسے دیکھئے دھن کی دُھن میں باؤلا ہو رہا ہے۔ رشوت، چوری، دھوکا، دھاندلی اور ایسی ہی حرکتیں ترقی کر رہی ہیں، لیکن کسی کو خوش حالی نصیب نہیں۔ حکومتوں کو دیکھئے وہ کئی کئی سال کے کاموں کا منصوبہ بناتی ہیں مگر ہر منصوبہ ناکام ہی رہتا ہے۔

ان منصوبوں کے تحت جو کام ہوتے ہیں وہ ٹھوس نہیں۔ اس سال ایک پُل بنایا گیا، اسی سال برسات میں ڈھے گیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ نہ ٹھیکہ دار کی نیّت خالص اور نہ بنوانے والوں کی نیّت درست۔ جیسے تیسے لیپ پوت کر پاس کر دیا اور گرا دیا گیا۔ چلو چھُٹّی ملی۔

سرکار! معاف کیجئے، میں جھوٹ نہیں کہتا، یہ تو وہ باتیں ہیں جو آپ مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔

یہ کہہ کر بوڑھا چُپ ہوگیا۔ راجہ پر اُس کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ بوڑھے کو انعام دے کر رخصت کر دیا۔

———— ❖ ————

نیّت میں بگاڑ

راجہ کو بوڑھے ملّاح کی باتیں یاد آتی رہیں ، وہ اس کی باتیں سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے اس کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ انسان کی نیّت میں بگاڑ کیوں پیدا ہو جاتا ہے؟ اس نے اس سوال کا جواب سوچا۔ طرح طرح کی باتیں اس کی سمجھ میں آئیں، لیکن کسی بات پر اُسے اطمینان نہیں ہوا۔ اب اس نے حکم دیا کہ کسی سمجھ دار اور تجربہ کار آدمی کو حاضر کیا جائے۔ حکم سُن کر سپاہی ریاست میں چاروں طرف پھیل گئے۔ انھوں نے ایک ایسا آدمی ڈھونڈ نکالا جو واقعی اپنے چہرے مہرے اور طور طریق سے نہایت سمجھ دار اور تجربہ کار معلوم ہو رہا تھا۔ اور چاروں طرف اس کی سمجھ داری کی دھوم تھی، سپاہی اُسے راجہ کی خدمت میں لے آئے۔ راجہ نے اُس سے کہا۔ "ایک انسان دُنیا میں بڑی ایمان داری اور نیک نیتی کے ساتھ رہتا ہے ، لیکن پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی نیّت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟" سمجھ دار آدمی نے جواب دیا :

"حضور! یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ انسان کے پیچھے طرح طرح کی ضرورتیں لگی ہوئی ہیں۔ کچھ ضرورتیں تو ایسی ہیں کہ دنیا کو پیدا کرنے والے نے ہر انسان کے پیچھے لگا دی ہیں، جیسے بھوک کے وقت کھانے کی ضرورت، سردی گرمی لگنے پر کپڑے کی ضرورت، رہنے بسنے کے لیے مکان کی ضرورت، اور ایسی ہی اور بہت سی ضرورتیں ہیں جن سے انسان جیتے جی چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ یہ وہ ضرورتیں ہیں جن میں چھوٹے بڑے، غریب، امیر اور راجہ پرجا سب برابر ہیں۔

لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو انہی ضرورتوں میں تکلّف کرنے سے پیدا ہوتی ہیں، اور وہ بڑے لوگوں کے حصے میں آئی ہیں۔ اچّھا کھانا، مزے دار کھانا، خوش نما کپڑا، نئے ڈیزائن کا کپڑا، شان دار مکان اور ہر ضروریات کے لیے الگ الگ کمرے، طرح طرح کا سامان اور اچھوتا سامان، غرض یہ کہ قدرتی ضروریات میں یہ ایسی ضروریات بڑھا لی گئی ہیں جو دراصل ضروریات نہیں بلکہ ان کا تکلّف ہے، ہوس ہے، اس ہوس، چاہ اور خواہش میں سب سے زیادہ وہی مبتلا ہے جو اپنے کو بڑا محسوس کرتا یا محسوس کرانا چاہتا ہے یہی چاہ اور ہوس انسان کی نیّت کو تباہ کرتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گھر کی برکت اُٹھ جاتی ہے۔ برکت اُٹھنے پر ضروریات اور ہوس میں اور بھی اضافہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس اضافے کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ پھر اس "بڑے آدمی" کی دیکھا دیکھی چُھٹ بھیّے بھی اسی راہ پر پڑ جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ ہوس کرنے والا خود تو تباہ ہوتا ہی ہے، دوسروں کی تباہی کا بھی سبب بنتا ہے۔

حضور! میں ایسے بہت سے واقعات جانتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو میں ایک ایسا واقعہ عرض کروں جس میں ہم سب کے لیے بڑی نصیحتیں ہیں۔

یہ کہہ کر سمجھ دار آدمی خاموش ہوگیا اور راجہ کی طرف دیکھنے لگا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ راجہ حکم دے تو عرض کرے۔ راجہ نے کہا، "ضرور کہو، میں نے اسی لیے تم کو بلایا ہے۔" سمجھ دار آدمی نے کہا، "حضور! میں نے آپ سے حکم اس لیے لے لیا کہ میں جو واقعہ عرض کروں گا وہ ایک بادشاہ کے متعلق ہے۔ کتابوں میں، میں نے اس طرح لکھا پایا ہے کہ کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ بادشاہ ایک بار شکار کو گیا۔ جنگل میں اسے ایک ہرن نظر آیا۔ اس نے ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ حضور! پُرانے قصّے کچھ اس طرح کہے جاتے تھے۔ شاید اس سے منشا یہ تھا کہ سُننے والے مزہ لیں، اور اس میں ان کو کچھ نصیحتیں مل جائیں۔ اچھا تو وہ قصّہ یُوں ہے کہ بادشاہ ہرن کے پیچھے شکار کے شوق میں اپنے لوگوں سے جُدا ہوگیا۔ اب آگے آگے ہرن اور پیچھے پیچھے بادشاہ اپنے گھوڑے پر سوار ہَوا سے باتیں کرتا چلا جا رہا تھا۔ اچانک سامنے ایک جنگل پڑا۔ ہرن جنگل میں گھُس کر غائب ہوگیا۔ بادشاہ بہت تھک چکا تھا۔ ہرن کو غائب دیکھ کر سستانے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ ایک طرف اسے

ایک باغ نظر آیا۔ وہ باغ میں چلا گیا۔ بادشاہ بھوکا اور پیاسا تھا۔ اس نے باغبان سے کہا۔ "بھائی! میں مسافر آدمی ہوں، اپنے لوگوں سے جدا ہو گیا ہوں، بھوکا پیاسا ہوں، مجھے اپنا مہمان سمجھو، اور کھانے پینے کو دو۔"

اتنا کہہ کر سمجھ دار آدمی ذرا دیر رُکا، پھر کہنے لگا "حضور! ایک زمانہ وہ تھا کہ اگر کسی کے گھر مہمان پہنچ جاتا تھا، تو گھر والا بڑا خوش ہوتا تھا، اور جو کچھ اُس کے گھر میں اچھے سے اچھا ہوتا مہمان کے سامنے پیش کرتا، اور جہاں تک ہو سکتا خاطر مدارات میں کمی نہ کرتا۔ آج ہماری نیتوں کے بگاڑ کی وجہ سے ایسی برکت اُٹھ گئی ہے کہ مہمان آتا ہے تو گھر بھر کا ماتھا سکڑ جاتا ہے۔ پھر یہ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد مہمان رخصت ہو جائے۔ جب سے یہ چائے چلی ہے تو میزبان سوچتا ہے کہ بس چائے پلا کر ہی چلتا کرو۔

سوچیے تو حضور! آج دو دِلوں میں کیا محبّت پیدا ہو سکتی ہے؟ اچھا تو میں عرض کر رہا تھا کہ بادشاہ نے باغبان سے کھانے پینے کو مانگا۔ باغبان مہمان کو باغ میں دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ جھٹ اُس کے لیے بستر کر دیا، اس کا گھوڑا ایک طرف سائے میں باندھ دیا، اُس کے آگے چارہ ڈال دیا۔ اس کے بعد دوڑا دوڑا گیا، ایک پیالہ لایا۔ پیالہ لے کر ایک انار کے درخت کے نیچے گیا، ایک پھل توڑا، پھر توڑ کر جو نچوڑا تو ایک ہی پھل کے دانوں کے رس سے پیالہ بھر گیا۔ بادشاہ

یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُسے بڑا تعجب ہوا کہ ایک پھل میں اتنا رس نکلا، وہ دیکھتا رہا، باغبان بھرا پیالہ لیے ہوئے آیا، مہمان کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے پیا۔ باغبان نے دوسرا انار توڑا، اس سے بھی پیالہ بھر گیا۔ بادشاہ نے دوسرا پیالہ بھی پیا، اس کا پیٹ بھر گیا۔ وہ آرام سے لیٹ گیا۔

لیٹے لیٹے بادشاہ سوچنے لگا، اب دیکھیے حضور! یہ سوچنا ہی بُرا ہوا۔ اپنی سلطنت کا کام چلانے کے لیے طرح طرح کے ٹیکسوں کی ضرورت پڑتی ہے تو بادشاہ کا ذہن اب اس ضرورت کی طرف گیا۔ اِس ضرورت نے اُس کے دل میں یہ خواہش اور ہوس پیدا کی کہ باغبان کے اِس باغ پر بھی ٹیکس لگنا چاہیے۔ اس نے باغ کی طرف نگاہ اُٹھا کر یہ دیکھنا شروع کیا کہ باغ کتنا بڑا ہے؟ اس میں کتنی آمدنی ہو سکتی ہے؟ اور اس پر کتنا ٹیکس لگایا جا سکتا ہے؟

بادشاہ یہ سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے وہ سو گیا۔ سو کر اُٹھا تو اسے پیاس معلوم ہوئی۔ اس نے باغبان سے کہا۔ "بھائی انار کا شربت اور پلاؤ۔" باغبان خوشی خوشی اُٹھا۔ اُس نے پیالہ لیا، ایک پھل توڑا، پھل توڑ کر دانے نچوڑنے لگا تو کچھ بھی رس نہ نکلا۔ دیکھا تو انار کا پھل اندر سے سُوکھا تھا۔ باغبان نے دُوسرا پھل توڑا، وہ بھی اندر سے سُوکھا تھا، تیسرا پھل توڑا۔ وہ پھل پر پھل توڑ اور نچوڑ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے بیس پچیس پھلوں کے دانے نچوڑنے پر آدھا پیالہ رس ہوا۔ وہ وہی رس

لیے مہمان کے سامنے آیا۔ پیالہ رکھ دیا اور کسی سوچ میں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

بادشاہ یہ سب تماشا غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے باغبان سے پوچھا:

"بھائی! کیا سوچتے ہو؟" باغبان نے کہا، "مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو بادشاہ ہے، اور اِس وقت تیری نیت میں کچھ کھوٹ آگئی ہے، شاید تو میرے باغ پر ٹیکس لگانے کا ارادہ کر رہا ہے؟"

یہ جو باغبان نے کہا تو بادشاہ بہت حیران ہوا، باغبان اس کے دل کی بات کیسے جان گیا؟ دل کی بات کا جاننے والا خدا کے سوا کوئی نہیں۔ اس باغبان نے کیسے سمجھ لیا؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ "ہاں بھائی! میں ہوں تو بادشاہ ہی، اور اس وقت ٹیکس لگانے کی بات سوچ بھی رہا تھا، لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں بادشاہ ہوں اور تم میرے دل کی بات کیسے جان گئے۔"

باغبان نے کہا۔ "حضور! جان بخشی ہو تو عرض کروں۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ کے آنے پر پہلی بار جب میں نے انار توڑا تھا اس وقت تک آپ کی نیت ٹھیک تھی۔ اُس کی برکت سے ایک ہی انار کے رس سے پیالہ بھر گیا۔ لیکن اِس وقت جب میں گیا تو بیس پچیس اناروں میں آدھا پیالہ بھرا تو مجھے بزرگوں کی کہی ہوئی

بات یاد آگئی۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ بادشاہ کی نیت ٹھیک ہوتی ہے تو ملک کی ہر چیز میں برکت ہوتی ہے۔ بادشاہ کی نیت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو ملک سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ اس وقت میں نے اناروں میں رس نہ پایا تو سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو میرا مہمان بادشاہ ہے۔ اور اس کی نیت میں کچھ فتور آگیا ہے جب ہی تو اناروں سے برکت جاتی رہی۔"

یہ سُن کر بادشاہ دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا۔ ٹیکس کے ارادے سے باز آیا۔ اس کے بعد کہا۔" اچھا، اب جاؤ، ایک انار کا رس نچوڑو۔" باغبان پھر گیا، ایک انار کا رس نچوڑا تو پھر پیالہ بھر گیا۔ بادشاہ کو یقین آگیا کہ سچ مچ بادشاہ جیسا نیک ہوگا ویسا ہی اثر اس کے ملک پر پڑے گا اور ہر چیز میں برکت ہوگی۔"

اِتنا قصّہ سُنا کر سمجھ دار آدمی نے پھر دم لیا۔ اس کے بعد کہنے لگا: حضور! دیکھا آپ نے بادشاہوں اور راجاؤں کی بڑی بڑی ضرورتیں ہوتی ہیں تو ان کی ہوس بھی ٹیکس وصول کرکے کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رعایا پستی چلی جاتی ہے۔ لیکن وہ جو کسی نے کہا ہے کہ ؎

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

بالکل سچ کہا ہے۔ اور یہ لوگ وہی ہوتے ہیں جو اپنے کو بڑا

محسوس کرانے کے لیے ساز و سامان اور تکلّف بڑھاتے جاتے ہیں۔ اور پھر بھی سمجھتے ہیں کہ ان کے یہاں اشیاء کی کمی ہے۔

تو حضور! آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ ضرورت انسان کے دل میں چاہ پیدا کرتی ہے، ضرورت میں تکلّف سے کام لینے سے چاہ، خواہش اور ہوس میں زیادتی پیدا ہوتی ہے، اور یہی ہوس دُوسروں پر ظلم ڈھاتی پھرتی ہے۔ آج آپ چاروں طرف جو ظلم دیکھ رہے ہیں یہ سب حاکم کی ہوس ہی کا نتیجہ ہے۔

ہمارے بزرگوں نے بہت ٹھیک کہا ہے کہ اگر آرام سے رہنا چاہتے ہو تو ضروریات کم کرو۔ ضروریات کو کم کر دو گے تو کم سے کم خواہش پیدا ہوگی تو نیّت پر کم سے کم اثر پڑے گا۔ کم سے کم اثر پڑے گا تو نیّت کو قابو میں کرنا آسان ہوگا۔ ورنہ نیّت پر قابو نہ رہا تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔"

سمجھ دار آدمی اس قصّے کے ذریعے یہ نصیحت کر کے خاموش ہو رہا۔ راجہ بہت خوش ہوا۔ سمجھ دار آدمی کو انعام دینے لگا تو اس نے کہا، "حضور! میرے خُدا نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ میری رائے ہے کہ آپ یہ رقم جو مجھے دے رہے ہیں غریبوں میں تقسیم کر دیں اور اُن کی دُعائیں لیں۔"

یہ بات سُن کر راجہ بہت خوش ہوا۔ اس نے بڑے ادب اور احترام کے ساتھ سمجھ دار آدمی کو رخصت کیا، اور اس کے کہے ہوئے قصّے اور نصیحتوں پر غور کرنے لگا۔

ہوس کا شکار

راجہ سمجھ دار آدمی کی کہی ہوئی باتوں پر جتنا غور کرتا نئی نئی باتیں اس کی سمجھ میں آتیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ گیا کہ ضروریات میں زیادتی اور تکلف انسان میں ہوس پیدا کرتا ہے، اور ہوس نیت کو خراب کرتی ہے۔ اور نیت کی خرابی سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ لیکن راجہ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ نیت کی خرابی سے یا ہوس میں پڑ کر انسان خود بھی تباہ ہو جاتا ہے اور دوسروں کی تباہی کا بھی سبب بنتا ہے۔ وہ سوچتا کہ نیت کی خرابی سے دو طرفہ نقصان کیسے ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ وہ تباہ ہو جو ہوس کا شکار ہو یا جسے اپنی ہوس کا شکار بنائے۔ راجہ نے بہت سوچا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس سمجھ دار آدمی کو عزت کے ساتھ لاؤ۔ سپاہی دوڑے گئے اور سمجھ دار آدمی کو بلا لائے۔ راجہ نے اُسے عزت کے ساتھ بٹھایا، پھر کہنے لگا:

"مجھے کوئی ایسی مثال سناؤ جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ نیت کی خرابی سے انسان خود بھی تباہ ہوتا ہے اور دوسروں کی تباہی کا بھی

سبب بنتا ہے ؟"

سمجھ دار آدمی نے کہا۔" حضور! میں ایسی مثال بیان تو کر سکتا ہوں، لیکن وہ مثال میرے اُستاد نے سنائی ہے۔ میرے اُستاد بڑے قابل اور عالم آدمی ہیں۔ انھوں نے بڑے بڑے دھرموں اور مذہبوں کی کتابیں پڑھی ہیں، وہ قرآن کی باتیں بھی جانتے ہیں۔ وید بھی پڑھے ہیں اور توریت اور انجیل کے بارے میں بھی ان کی واقفیت بڑھی ہوئی ہے، اگر آپ ان سے سُنیں تو آپ کو مزہ بھی آئے گا اور آپ کو بڑی نصیحت بھی ملے گی۔"

راجہ نے پوچھا،" وہ کہاں رہتے ہیں؟" سمجھ دار آدمی نے بتایا کہ " وہ یہاں سے بارہ کوس پر ایک پہاڑ پر رہتے ہیں، اور رات دن خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ ہفتہ میں دو بار لوگوں سے ملتے ہیں اور بڑی اچھی اچھی نصیحتیں کرتے ہیں۔ حضور! بڑھاپے کی وجہ سے وہ یہاں نہیں آسکتے، اگر آپ خود ہی اُن کے پاس چلیں تو اس سے آپ کی نیّت کی اچھائی کا اثر لوگوں پر پڑے گا اور سیر بھی ہو جائے گی۔"

راجہ سمجھ دار آدمی کی بات سُن کر بہت خوش ہوا۔ اسی وقت چلنے کا حکم دیا۔ کچھ نوکر چاکر اور ضروری سامان ساتھ لے کر چل دیا۔ سمجھ دار آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔ شام تک عالم صاحب کے پاس جا پہنچا۔ اسے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ کل صبح ہی عالم صاحب کے وعظ کا دن ہے۔ راجہ نے پہاڑ کے پاس ہی ٹھہرنے کا حکم دیا۔ صبح کو دیکھا تو چاروں طرف سے لوگ

آ آکر جمع ہونے لگے۔ دیکھتے دیکھتے سارا میدان آدمیوں سے بھر گیا۔ ذرا سُورج چڑھے عالم صاحب پہاڑ سے اُترے۔ اُنھوں نے وعظ کہا۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے طرح طرح کے سوالات کیے، ان کا جواب عالم صاحب نے دیا۔ آخر میں راجہ نے اپنا سوال کیا: "جناب! آپ مجھے کوئی ایسی مثال سُنائیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ نیّت کی خرابی سے انسان خود تباہ ہوتا ہے اور دوسروں کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔"

عالم صاحب نے راجہ پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے بعد فرمایا "اے لوگو! تم سب سنو۔ میں تم کو ایک حکایت سُناتا ہوں، اگر تم دھیان سے سُنو گے تو اس میں تمہارے لیے بڑی نصیحتیں ہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ پُرانے زمانے میں لوگوں کو نصیحتیں کرنے کے لیے لوگ حکایتوں سے کام لیتے تھے۔ جو نصیحت کرنا ہوتی اس کی حکایت بناتے۔ لوگ حکایت بڑی دل چسپی سے سُنتے ہیں تمہارے اس بھائی نے جو بات پوچھی ہے اس سے متعلق ایک حکایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے نبی تھے۔ انھیں اللہ نے بڑے بڑے معجزے عطا فرمائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ، اور اندھے اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیا کرتے تھے۔ وہ یہ بھی بتا دیا کرتے تھے کہ لوگوں نے کل کے لیے کیا چھُپا رکھا ہے۔ اس طرح کے اور کئی معجزے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو عطا فرمائے تھے۔ تو ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ایک شاگرد کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ اُن کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

نے کہا کہ تین روٹیاں ہیں۔ ایک میں کھالوں، ایک تم کھالو، ایک کل کے لیے رکھ لو۔

یہ کہہ کر ایک روٹی حضرت عیسٰیؑ نے کھالی۔ کھاکر وہ پانی کے چشمے پر گئے۔ پانی پیا۔ لوٹ کر آئے تو ایک بھی روٹی نہ تھی۔ شاگرد سے پوچھا کہ تیسری روٹی کیا ہوئی؟ اُس نے بتایا کہ میں اپنے حصّے کی روٹی کھا کر پانی پینے چلا گیا، واپس آرہا تھا کہ دیکھا ایک آدمی آیا اور روٹی لے کر بھاگ گیا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ نے بڑی سوجھ بوجھ دی تھی۔ اور نبیوں کو تو سوجھ بوجھ سب سے زیادہ ملا ہی کرتی تھی۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو معجزے ایسے ملے تھے کہ لوگوں کے گھر کے اندر محفوظ رکھی ہوئی چیز اور ذخیرے تک بتا دیا کرتے تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام سمجھ گئے کہ شاگرد کی نیّت خراب ہوگئی۔ وہ خود ہی کھا گیا ہے اور اب جھوٹ بول رہا ہے۔ حضرت نے شاگرد سے تو کچھ نہ کہا، چپکے سے ریت کے تین ڈھیر لگائے۔ اللہ سے دُعا کی تو تینوں ڈھیر سونے کے ہوگئے۔ اب شاگرد سے کہا۔ "بھئی! یہ دیکھو، سونے کے تین ڈھیر ہیں۔ ایک تمہارا ہے، ایک میرا، اور ایک اس کا جو تیسری روٹی کھا گیا۔" یہ سُنا تو شاگرد کو بڑا لالچ آیا۔ اُس نے اقرار کیا کہ "حضرت تیسری روٹی کھانے والا میں ہی ہوں، اس لیے مجھ کو ہی سونے کا یہ تیسرا ڈھیر ملنا چاہیے۔"

حضرت عیسٰی علیہ السلام شاگرد کی ہوس دیکھ کر مسکرائے۔ آپ نے

کہا۔" بھائی! تینوں ڈھیر لے لے۔ لیکن اب میرا تیرا ساتھ نہیں ہوسکتا"۔
یہ کہہ کر اکیلے ایک طرف اپنے دوسرے شاگردوں کے یہاں چلے گئے۔
یہ شاگرد وہیں کا وہیں ٹھہرا رہا اور سوچ رہا تھا کہ کس طرح تینوں ڈھیر اُٹھاکر لے جاتے، وہ ادھر کسی مزدور کو تلاش کرنے لگا۔ مزدور نہ ملا تو رات کی رات وہیں ٹھہر گیا۔

اب دیکھیے، رات کو وہاں چار آدمی آئے۔ اُنھوں نے سونے کے تین ڈھیر دیکھے اور ایک آدمی کو سوتے ہوئے پایا۔ چاروں نے سونے کے لالچ میں اسے مار ڈالا، سونے کے ڈھیروں پر قبضہ کیا۔ اور کہا کہ تین ڈھیر ہیں اور ہم چار آدمی ہیں، صبح کو تول تول کر بانٹ لیں گے۔ یہ کہہ کر چاروں آدمی ڈھیروں کے آس پاس سوگئے۔ صبح ہوئی، جلگے تو انھیں بھُوک لگی۔ صلاح ہوئی کہ ایک آدمی شہر جائے کھانا لائے، اور تین آدمی سونے کی نگرانی کریں، کھانا کھاکر سونا بانٹ لیں گے۔

ایک آدمی شہر گیا۔ اب دیکھیے، ان سب کی نیّت خراب ہوتی ہے۔ اور سب کے سب تباہ ہوتے ہیں۔ جو شخص کھانا لینے شہر گیا تھا اس کی نیّت خراب ہوئی کہ سونے کے تینوں ڈھیروں پر تنہا قبضہ کرنا چاہیے۔ اس نے تدبیر یہ کی کہ کھانے میں زہر ملا دیا کہ اس کے ساتھی زہریلا کھانا کھاکر مرجائیں گے، پھر سونا اپنا ہے۔ وہ کھانا لے کر واپس ہو رہا تھا۔ یہاں اس کے ساتھیوں کی نیتّوں میں فرق آگیا۔ اُنھوں نے صلاح کی جو شخص کھانا لینے گیا ہے، واپس آئے تو اُسے مار ڈالنا چاہیے:

پھر ہم تین آدمی رہ جائیں گے اور تین ہی ڈھیر ہیں ، بانٹنے میں آسانی ہو گی ۔ ایک ایک ڈھیر لے لیں گے ۔

اچھّا، تو خدا کے بندو! دیکھو، سُنو اور نصیحت پکڑو ۔ جیسے ہی وہ کھانا لے کر آیا، اس کے ساتھی لاٹھی لے کر اس پر ٹوٹ پڑے، اُسے مار ڈالا ۔ پھر لگے کھانا کھانے ۔ زہریلا کھانا کھا کر وہ تینوں بھی مر گئے ۔"

یہ حکایت سُنا کر عالم صاحب ، راجہ سے کہنے لگے ۔" اے سوال کرنے والے بھائی ! دیکھا تو نے ؟ پہلے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ایک شاگرد کی نیت خراب ہوئی وہ اپنی جان سے گیا ۔ اس کی بدنیتّی کی وجہ سے چار جانیں اور برباد ہوئیں ۔ حضرت عیسٰیؑ دوسرے دن لوٹ کر اس طرف نکلے تو سونے کے ڈھیروں کے آس پاس پانچ لاشیں دیکھیں، ان کے کچھ شاگرد ساتھ تھے ۔ ان کو دکھایا اور کہا ۔" دیکھو، نیت میں فتور آنے سے کتنے آدمی تباہ ہوتے ؟ ڈرو ! نیتّ کی خرابی سے اور ہر وقت خُدا سے دعا کرتے رہو کہ اللہ نیتّ کی خرابی سے بچائے ۔"

یہ مثال سُنا کر عالم صاحب اُٹھے اور پہاڑ پر چلے گئے ۔ راجہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گھر چلا آیا ۔ سمجھ دار آدمی کو عزّت کے ساتھ رُخصت کیا ۔ عالم صاحب کی مثال پر بار بار غور کرنے لگا تو اب اس کی سمجھ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ " نیتّ کو خرابی سے بچانے کے لیے کیا تدبیر ہو سکتی ہے ؟ انسان اپنے خیالات کو کس طرح کنٹرول کر سکتا

ہے ؟" راجہ سوچتے سوچتے تھک گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو
اس نے پھر سمجھ دار آدمی کو بُلایا اور اپنا سوال پیش کیا۔ سمجھ دار آدمی پھر
راجہ کو عالم صاحب کے پاس لے گیا۔ انھیں تو معلوم ہو چکا تھا کہ عالم
صاحب فلاں دن پہاڑ سے اُترتے ہیں اور فلاں وقت وعظ کہتے ہیں۔
اس لیے اس دن سے پہلے شام کے وقت پہاڑ کے دامن میں جا ٹھہرے۔

خُدا کا خوف

صبح کے وقت جب عالم صاحب اپنے وقت پر پہاڑ سے اُترے، اُنھوں نے اپنا وعظ کہا۔ پھر لوگوں نے اپنے سوالات پیش کیے۔ عالم صاحب نے سب کے سوالوں کے جواب دیے۔ آخر میں راجہ نے کہا۔" حضرت! میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میں اپنا تعارف کرادوں۔ میں آپ کے پچھلے وعظ میں شریک ہوا تھا۔ میں نے آپ سے ایک سوال کیا تھا۔ آپ نے مثال اور حکایت کے ذریعہ بہت اچھّی طرح سمجھایا۔ اے اللہ کے نیک بندے! میں اس دیس کا راجہ ہوں۔ آپ کا وعظ اور آپ کی کہی ہوئی حکایت سُن کر میں نے بڑا سبق حاصل کیا۔ میں نے سوچا کہ نیّت کی خرابی سے ملک میں بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا ہے۔ فسادی لوگوں کو اگر میں پکڑ پاتا ہوں تو جیل میں بھجوا دیتا ہوں لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اگر ایک آدمی کی نیّت اس وقت خراب ہو جائے جب آس پاس پولیس کے سپاہی نہ ہوں، اور کوئی دیکھنے والا اور پکڑنے والا نہ ہو تو نیّت پر کنٹرول کس طرح ہو سکتا ہے؟ پھر یہ کہ میں راجہ ہوں، مجھے تو جیل کا بھی

ڈر نہیں ۔ میری نیت کس طرح درست رہ سکتی ہے؟"

راجہ سوال کر کے عالم صاحب کی طرف دیکھنے لگا ۔ اور بہت سے لوگ بھی اس سوال کا جواب سننے کے مشتاق ہو گئے، جو لوگ جانے والے تھے وہ بھی رُک گئے ۔ عالم صاحب نے اس سوال کے جواب میں پھر ایک حکایت سُنائی جس میں شروع سے آخر تک نصیحتیں ہی نصیحتیں تھیں۔ انھوں نے فرمایا :-

"اے راجہ ! تو نے بہت اچھا سوال کیا۔ تو مجھ کو بڑا نیک نیت راجہ معلوم ہوتا ہے ۔ کیوں کہ تو دو بار اتنی دُور سفر کر کے آیا ، اچھا سُن ! میں ایک حکایت سُناتا ہوں، اس سے تو سمجھ لے گا اور یہ سارے لوگ بھی سمجھ لیں گے کہ انسان کی نیت کو کس طرح درست رکھا جا سکتا ہے؟

اے اللہ کے بندو! سُنو! کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اس زمانہ میں اس سے بڑھ کر دُوسرا بادشاہ نہ تھا۔ اس کو کسی ایسے زبردست انسان کا ڈر نہ تھا۔ جو اُسے کسی بُرے کام سے روک سکتا یا اُسے سزا دے سکتا ۔

ایک بار بادشاہ نے سُنا کہ کسی گاؤں میں ایک لڑکی ہے ۔ وہ لڑکی نہایت خوب صورت ہے ۔ اس کے مقابلے کی دوسری عورت نہیں۔ بادشاہ لڑکی کی خوب صورتی سُن کر اس کا عاشق ہوگیا ۔ حکم دیا کہ لڑکی کو حاضر کرو۔ بادشاہ کے سپاہی گاؤں میں گئے اور لڑکی کو لے آئے ، اور بادشاہ کے حکم سے لڑکی کو ایک خالی محل میں پہنچا دیا ۔ رات کو بادشاہ اس لڑکی کے پاس

گیا۔ اس لڑکی پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ تو لڑکی نے کہا۔" حضور! محل کے سارے دروازے تو بند کرا دیجئے۔ کوئی دیکھتا نہ ہو۔"

بادشاہ نے بتایا کہ" سارے دروازے بند ہیں۔"

لڑکی نے پھر کہا۔" نہیں حضور! ابھی مجھے ڈر ہے! ابھی ایک دروازہ کھُلا ہے، اور ایک دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔"

بادشاہ بڑا حیران ہوا۔ پوچھا" اب کون سا دروازہ کھُلا ہے، اور وہ کون ہے جو اب بھی دیکھ رہا ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا" حضور! وہ خُدا ہے جو ستر پردوں کے اندر بھی دیکھ سکتا ہے، اس سے کچھ بھی ڈھکا چھُپا نہیں، اس کا ہی دروازہ کھُلا ہے، اور وہ مجھے اور آپ کو دیکھ رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے، اگر آپ نے میرے ساتھ" حرام کام" کیا تو خدا آخرت کے دن سزا ضرور دے گا۔ اس کی طاقت اتنی بڑی ہے کہ کوئی اس سے بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔"

لڑکی کا جواب سُن کر بادشاہ کانپ گیا، بولا" واقعی خُدا ہر ڈھکی چھُپی چیز دیکھتا ہے، اور وہی ہے جو ہماری نیتوں سے بھی واقف ہے میں اس سے نہیں لڑ سکتا۔" یہ کہہ کر بادشاہ پر خدا کا خوف طاری ہو گیا، اور وہ لڑکی کو ہاتھ لگانے سے باز آ گیا اور توبہ استغفار کرنے لگا۔

یہ قصہ سُنا کر عالم صاحب نے کہا،" اے راجہ! اور اے لوگو! خُدا کا خوف اور آخرت کا یقین ہی ہے جس کو یاد رکھنے سے نیّت درست رہ سکتی ہے۔ خدا کا خوف ہی انسان کو اندھیری کوٹھری اور تنہا جنگل میں

گناہ کرنے سے روک سکتا ہے۔

یہ کہہ کر عالم صاحب پہاڑ پر چلے گئے۔ راجہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آیا، سمجھ دار آدمی سے کہا "میری رائے ہے کہ آپ میرے ساتھ ہی رہیں اور مجھے خدا کے احکام یاد دلاتے رہیں۔ اللہ نے چاہا تو میں اب عالم صاحب کی خدمت میں جاتا رہوں گا اور خُدا کے خوف کو بنیاد بناکر زندگی بسر کروں گا۔ جب میں ایسا کروں گا تو میری رعایا پر بھی اثر پڑے گا۔ پھر مجھے اُمّید ہے کہ لوگوں کی نیّتیں اُن کے قابو میں رہیں گی۔"

کہتے ہیں، اور کہنے کیا ہیں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس راجہ کی ریاست میں بڑے اچھے اچھے لوگ ہوئے، اُن اچھّے لوگوں سے دوسرے لوگوں نے نصیحتیں حاصل کیں۔ لیکن افسوس کہ راجہ کے مرنے کے بعد ریاست پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہوگیا کہ خدا کا خوف الگ رہا، انھوں نے خُدا کے وجود ہی سے انکار کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چاروں طرف "فساد" پھیل گیا، اور لوگ ایسی مصیبت میں مبتلا ہوگئے کہ خدا کی پناہ! سُنا ہے کہ اب مصیبت سے چھُٹکارا پانے کے لیے اسکیموں پر اسکیمیں بناتے ہیں، لیکن مصیبتیں بڑھتی ہی چلی جارہی ہیں۔ مجھے ایک بتانے والے نے بتایا کہ چڑیوں کی طرح سارے کے سارے ایک جال میں پھنسے ہیں اور اپنی چونچوں سے پھندا کس رہے ہیں جال کا۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارُ۔

—— ※ ——

یاد رکھنے کی بات

جس وقت "ایک انسان دو کردار" کی چاروں کہانیاں ترتیب دی جا رہی تھیں، اس وقت بار بار یہ خیال آیا کہ آخرت فراموش لوگوں میں بھی اکثر ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو نیکیاں کرتے نظر آتے ہیں۔ آخر ان میں وہ کون سا جذبہ ہے جو انھیں بھلائی پر اُبھارتا ہے۔ مثال کے طور پر حسبِ ذیل واقعہ پڑھیے اور پھر غور کیجیے:

ایک شرابی شراب پینے کے لیے جا رہا تھا۔ اس کی جیب میں کافی رقم تھی۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ ایک بڑھیا عورت اپنی جوان لڑکی کو لیے بھیک مانگ رہی تھی "بھائیو! اللہ تمہارا بھلا کرے۔ میری اس جوان بیٹی کا بیاہ کرا دو۔ اس کا کوئی والی وارث نہیں۔"

بڑھیا یہ الفاظ بڑے درد ناک انداز میں کہہ رہی تھی، مگر بہت کم لوگ ایسے تھے جو ہاتھ اُٹھا کر اُسے کچھ دیتے۔ ہاں، اُس جوان لڑکی کو دیکھ کر مذاق والے بہت تھے۔

جوان لڑکی اور پھر وہ جس کا کوئی والی وارث نہ ہو اور وہ باہر نکلے، یہ خود

ایک حادثہ ہے ۔ ایسا حادثہ جس سے حادثے پیدا ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ آگے چل کر ایک بدمعاش نے اس لڑکی پر ہاتھ ڈال دیا ۔ بڑھیا نے یہ دیکھا تو دہائی دینے لگی ۔ عین اُس وقت وہ شرابی پاس سے نکلا ۔ اُس نے بدمعاش اُٹھا کر ایک نالی میں پھینک دیا اور جتنی رقم جیب میں تھی بڑھیا کو دے دی اور شراب کی بھٹی کی طرف مُڑ گیا ۔ مگر اب اس کی جیب خالی ۔ شراب کی لت اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی ، اور جیب اپنی طرف ۔ آگے چل کر دیکھا گیا کہ اسی شرابی نے چلتے چلتے ایک خوانچہ والے کے خوانچہ سے دس رُوپے کا نوٹ اُڑا لیا اور چلتا بنا ۔

دیکھا آپ نے ایک انسان کے یہ بھی دو کردار ہیں ۔ تو سوال ہو سکتا تھا کہ بڑھیا کے ساتھ اس نے جو سلوک کیا اس کا محرک کیا تھا؟ جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو صالح فطرت پر پیدا کیا ہے ۔ یہ صالح فطرت بُرے کاموں کی وجہ سے دب تو ضرور جاتی ہے مگر مٹتی نہیں ۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک اُبھر آتی ہے ۔ اگر اس وقت کوئی نیک کام ہو گیا تو ہو گیا ورنہ پھر دب کر رہ جاتی ہے ۔ اسی کو انسانیت بھی کہتے ہیں ۔

یہی صالح فطرت یا انسانیت اگر مستقل قائم رکھی جائے اور کسی طرح اس کی صحیح تربیت ہو جائے تو پھر انسان میں نیکی کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر ہر وقت وہ ایثار و قُربانی کا پُتلا نظر آ سکتا ہے ۔ اس کی صحیح تربیت کے لیے خدا کا تقویٰ اور آخرت کے حساب کا

کھٹکا ہی وہ سچّا عقیدہ ہے جو انسانیت کو پروان چڑھاتا ہے اور انسان کو صحیح معنوں میں انسان بناتا ہے۔

"ایک انسان دو کردار" ایک انسان کو انسان بنانے کے لیے ہی ترتیب دی گئی ہے۔ اب جو اس سے جتنا چاہے فائدہ اُٹھائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہ۔